کی طرح مسلمانوں کی اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی مشکلات کے حل پر اس طرح سوچ بچار کرتے تھے، کہ یہ حل اسلام کے کسی اصول یا حکم سے ٹکرانے نہ پائے۔ غالباً اسی لئے اقبال کے افکار کا مرکز اسلام کے دو اہم مسائل اجتہاد اور اجماع تھا۔ اقبال اسلام میں اجتہاد کو متحرک عمل مانتے تھے اور اس کا اختتام محض ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ تک ہی محدود نہیں سمجھتے تھے۔

اقبال کی جو نئی ایجابی یا مثبت خصوصیت یہ ہے کہ مغربی ثقافت کے طالب علم ہونے کے برعکس آپ ایک معنوی شخص کے حامل تھے۔ اور اس تعلق سے آپ عرفان اور نفسیات کا ایک عمیق اور گہرا عنصر رکھتے تھے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اقبال ذکر و فکر، عبادت و مراقبہ، ذاتی محاسبہ اور سب سے اخیر مراتب سلوک و تصوف کو جسے آج کل کے مغرب زدہ لوگ "نفسیاتی تکلیف" کہتے ہیں۔ سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اس قسم کے بعض مسائل اقبال نے اپنی مشہور انگریزی تصنیف، "دینی افکار کا احیاء" میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اقبال مذہب کی نشأۃ ثانیہ کے تفکر کو اسلامی معنویت اور روحانیت کے بنا پر ایک غیر مفید کارنامہ یا عمل گردانتے تھے۔

علامہ اقبال علاوہ متذکرہ صدر خصائص کے، ایک مرد فعّال اور مجاہد بھی تھے۔ اسی چیز کے پیش نظر عملی طور پر انہوں نے استعماریت اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف بھرپور جہاد کیا، آزادی کے حق اور غلامی کی مذمت میں منظومات اقبال کے اسی نظریے کی حمایت اور تائید کرتی ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنی شاعرانہ قدرت اور صلاحیت کو اسلامی نقطہ ہائے نظر

کی تقویت اور مضبوطی میں صرف کیا، غالباً اسی حقیقت اور امر واقعی کے پیش نظر دیگر شعراء مثلاً اکمیت الاسدی حسان ابن ثابت الانصاریؓ اور دعبل بن علی الخزاعی کی طرح شیخ عبدالرحمٰن الکواکبی کے مجموعہ شعراء میں تعریف ثنا قرار پائے ہیں۔ غالباً اسی حقیقت کے پیش نظر اقبال کے متعدد اشعار اور نغمات جو انقلاب کے بارے میں ہیں اردو ہیں، عربی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ اقبال کے جوشیلے اشعار کا آج بھی مسلمانوں کے متوسط طبقہ میں شدید اثر ہے۔

فلسفۂ خودی :-

اقبال ایک فلسفہ کا بھی مالک ہے جسے فلسفۂ خودی یا فلسفۂ ذات کہتے ہیں۔ اس فلسفہ کے تحت اقبال اس بات کا معتقد ہے کہ مشرقی اسلام نے اپنا اسلامی تشخص کھو دیا ہے۔ اور اس لئے از سر نو اس کے حصول کی ضرورت ہے، اس کے خیال میں فرد کبھی متزلزل شخصیت کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بعض وقت اسے بالکل گمنا کر ذات سے دور جا پڑتا ہے اسلئے اجنبی ہو جاتا ہے اور دوسروں کو اپنی جگہ قرار دیدیتا ہے اس موقعہ پر اس کی مثال مولانا روم کے اس قول کی ہو جاتی ہے۔ "دوسروں کی زمین مکان بناتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ کام مکمل کرے دوسروں کے عمل میں جٹ جاتا ہے"

اقبال کے مطابق معاشرہ یا سماج بھی ایک جذبہ یا شخصیت کا مالک ہے۔ یہ بھی فقدانِ تشخص کے مرض میں مبتلا ہو کر خودی یا ذات پر ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اور یہ سرے سے عدم احترام اور عزت نفس کی گم شدگی کا

باعث ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اقبال اس امر کا معتقد ہے کہ موجودہ اسلامی معاشرہ پوری تمدن اور ثقافت سے کشتی اور کشاکش کا باعث اسلامی تشخص سے محروم ہو چکا ہے اس لئے اس کے حصول کے لئے خودی یا ذات شناسی کو از بس ضروری گردانتے ہوتے اسے اجتماعی تشخص کا ایک رکن اساسی سمجھتا ہے۔ اس حقیقت اور امر واقعی کی روشنی میں اقبال کا اعتقاد قوی ہے کہ رہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ میں ایمان اور اعتقاد کا بیج بوئیں، یعنی اسلامی ثقافت و تمدن کا از سر نو احیاء کریں اور یہی اقبال کا فلسفہ خودی ہے۔

اقبال کی اپنے اشعار، مقالات اور خطبات اور مجالس میں یہی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کی گذشتہ عظمت و شرافت کی یاد دلاتے ہوئے ایمان بالذات کو تازہ و استوار کرے۔ اس چیز کے پیش نظر اس نے بہادران اسلام کو تاریخ کی گہرائیوں سے نکال کر مسلمان قوم کے روبرو رکھے۔ اس کا یہ عمل اسلامی معاشرہ پر ایک بہت بڑا اور قابل ذکر احسان ہے۔ اصلاحی سرگرمیوں اور اس قسم کے افکار کی اشاعت میں اقبال ہندوستان کا سید جمال الدین افغانی تھا۔ اقبال کے اصلاحی افکار چونکہ ہندوستان کے باہر بھی انتشار پذیر ہوئے۔ اس لئے ہندوستان کے تمام شعراء اور اہل قلم میں صرف اقبال ہی ایک ایسا شاعر اور ادیب ہے جو عالم اسلام کے بیشتر حصہ کو متاثر کر سکا ہے،

بلاشبہ علامہ اقبال میں بعض کمزوریاں بھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ اسلامی ثقافت اور تمدن کا گہرا مطالعہ نہ تھا۔ وہ مغربی نقطۂ نظر سے فلسفی تھے، لیکن فلسفۂ اسلام میں اس درجے مہارت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے جا بجا ٹھوکر کھائی ہے۔ مثال

ے طور پر خدا کے وجود کے اثبات پر اقبال کے دلائل اور مستقبل کے بارے
ں خدا کی مخلوق کا بیان الٰہیات کے اہم موضوعات سے ہے، یہی کیفیت
مسئلہ ختم نبوت کی ہے۔ اقبال بجائے اس کے کہ ختم نبوت کو ثابت کرے
ر مذہب کو پہونچ جاتا ہے۔ جو خود افکار اقبال کے منافی ہے اسی طرح
اسلامی علوم و معارف کے میدان میں اقبال کا مطالعہ سطحی تھا۔ تصوف میں
وہ ہندوستان کے ویدانتا تصوف سے متاثر ہیں۔ اقبال اگرچہ اپنے آپ
کو مولانا روم کے متبعین میں شمار کرتے ہیں۔ سید جمال الدین افغانی
کے برخلاف اقبال نے اسلامی ممالک کا سفر بھی نہیں کیا ہے۔ دور نزدیک
سے اسلامی تحریکات کا جائزہ لیا ہے۔ اس لئے عالم اسلام میں بعض اشخاص کی
قدر وقیمت یا بعض استعماری تحریکات کے بارے میں رائے دہی کے باعث شدید غلطی
کھائی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال اپنی کتاب اسلام میں فکرِ دینی کے احیاء میں
ایران میں بہائی تحریک اور ترک میں اتاترک کے قیام کو ایک اصلاحی اسلامی
تحریک سمجھتا ہے۔ اسیطرح بعض اشعار میں جابروں اور بلاد اسلامیہ میں ڈکٹیٹروں
کی تعریفیں کی ہیں۔

تاہم متذکرہ بعض نقائص اور کوتاہیوں کے باوجود برصغیر میں بحیثیت مصلح
اقبال کا درجہ عظیم اور نہایت اعلیٰ ہے۔ اس نے مسلمانانِ عالم اور بالخصوص مسلمانانِ
ہند کو اپنی اصلاحی تعلیمات و ارشادات اور زوردار پیغام عمل کی بدولت وہ راستہ
بتا دیا ہے جس سے وہ خود کو پہچان کر دین و دنیا میں ترقی اور سرخروئی حاصل کریں۔

سچ ہے سہ۔ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور یہ دیدہ ور شاعر مشرق یقیناً علامہ محمد اقبال ہی ہے!!

نظریۂ ارتقا پر ایک نظر

(محترمہ رخ اسں ندوی صاحبہ، جنوبی افریقہ)

آپ کے دسمبر ۱۹۸۶ء کے شمارے میں "تخلیق آدم اور نظریۂ ارتقاء" پر جناب احسان اللہ صاحب کا تبصرہ نظر سے گذرا۔ میں مولانا شہاب الدین ندوی صاحب کے ارتقاء کے متعلق مضامین آپ کے رسالے میں پڑھ چکی ہوں اور ان سے فائدہ اٹھا چکی ہوں۔ مجھے بھی ارتقاء کے مسئلہ سے خاصی دلچسپی رہی ہے اور دو سال ہوئے میری کتاب (DARWINISM ON TRIAL) یہاں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے ذریعہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں میں نے تازہ سائنسی معلومات کے ذریعہ ڈاروِنزم کے نظریہ کا رد کیا ہے اور دوسرے حصے میں قرآن و حدیث اور مشاہیر اسلام جن میں الجاحظ، مولانا رومی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر محمد اقبال، ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر موریس بوکائی شامل ہیں کی رائیں۔ ان کی وجوہات اور ان کے جوابات بھی دئے ہیں۔ میں نے امریکہ سے بایولاجی میں M.S.C کیا اور وہاں میں تین سال تک یہ مضمون پڑھاتی رہی ہوں۔ ارتقاء کے مسئلہ سے مجھے ہمیشہ پریشانی ہوتی تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے یہاں جنوبی افریقہ

میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کی ہمت افزائی سے ارتقاء پر کئی سال تک ریسرچ کیا اور اس کے بعد ان تازہ ترین سائنسی معلومات و مشاہدات کو کتاب کی صورت دیدی۔ والحمد للہ علی ذالک

مجھے تبصرہ نگار کی رائے سے اتفاق نہیں ہے جس کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ پریشانی یہ ہے کہ جس چیز کو مغرب حق کہہ دے ہم اسے حق ثابت کرنے کے لئے پورا زور لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ قرآن مجید کی آیتوں کی دور از کار تاویلات کر کے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارتقاء اگر برسوں سے ثابت شدہ حقیقت کی حیثیت حاصل کر چکا ہوتا تو اس کو مغرب میں کبھی کا ثابت شدہ حقیقت قرار دیا جا چکا ہوتا۔ جو کہ ہنوز نہیں ہوا ہے۔ ارتقاء ابھی تک ظن و گمان کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔ بلکہ کئی مغربی سائنسدان بھی اب اس کو چیلنج کر رہے ہیں۔ چند کتابوں کے نام آخر میں لکھوں گی۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا ارتقاء پہ مضمون ۱۹۰۸ء کا لکھا ہوا ہے جبکہ وہ ندوۃ العلما سے تازہ تازہ فارغ ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین احمد ندوی صاحب نے مقالات سلیمان کی تیسری جلد کے شروع میں لکھا ہے کہ ارتقاء کے متعلق مضمون مولانا کی شروع شروع کی سوچ کے مطابق تھا۔ جو بعد میں بدل گئی تھی۔

دوسرے یہ کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہی کے چند لوگ سائنس اور مذہب کی بنیاد پہ ارتقاء کو چیلنج کر رہے ہیں۔ سید حسین نصر کی کئی کتابوں میں ارتقاء اور ڈارونزم کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔

تیسرے یہ کہ ڈارونزم بھرپور کوشش کے باوجود مشاہداتی حقائق نہیں